اردو ناولوں کا موضوعاتی مطالعہ 1900 سے 1955 تک

صلاح الدین شاہ
SALAUDDIN SAHA
ریسرچ اسکالر، دہلی یونی ورسٹی، دہلی
Email-salluodisha@gmail.com
Contact-7396689934

ملخص

صنف ناول کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ناول سے پہلے بھی بہت سی اصناف تھیں جن میں کہانیاں ہوتی تھیں۔لیکن ناول کا فن اور تکنیک ان اصناف کے فن اور تکنیک سے جداگانہ اہمیت رکھتا ہے۔اس وجہ سے دنیا کی تمام ادبی اصناف کے مقابلے میں ناول غالباً سب سے کم سن صنف سخن ہے۔ یورپ میں اس کی ابتدا سترہویں صدی کے اواخر میں ہوچکی تھی۔مگر ہندوستان میں اس کا رواج انگریزوں کے آمد کے بعد ہوا۔خصوصاً 1857 کے بعد ہی ملتا ہے۔تحقیق کے مطابق اردو ادب کا پہلا ناول نذیر احمد کا ''مراۃ العروس'' ہے۔نذیر احمد نے اردو ناول کی بنیاد تو ڈال دی مگر یہ پوری طرح ابھی فن کے ضمرے میں کھرا نہیں اترا تھا۔جب اردو ناول اپنی ابتدائی دور سے گزرتے ہوئے اپنا سفر طے کرنے لگا بعض ناول نگار اس کی طرف قدم بڑھانے لگے اور یہ بیسویں صدی کے آغاز تک ایک کارواں بن چکا تھا۔جس میں رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، سجاد حسین، قاضی سرفراز حسین عزمی اور مرزا ہادی رسوا وغیرہ کا نام سرفہرست ہے۔یہ ناول نگار اردو ناول کے ارتقاء میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اردو ناولوں کا موضوعاتی مطالعہ 1900 سے 1955 تک

دنیا کے تمام ادب میں اردو ادب ایک منفرد شناخت رکھتا ہے۔اسی طرح اردو ادب کے مختلف اصناف میں ناول ایک دلچسپ اور کارآمد صنف ہے۔پہلی مرتبہ جب قصہ میں حقیقی زندگی کا عکس نظر آیا تو اس صنف کا نام ناولا رکھ دیا گیا۔ناول کا تعلق براہِ راست زندگی سے ہے۔یہ وہ طریقہ کار ہے جس کے ذریع مصنف اپنے تجربات اور مشاہدات کا اظہار مختلف اسالیب میں بیان کرتا ہے۔ہر ادبی صنف کا کچھ نہ کچھ موضوع ہوتا ہے اسی طرح ناول کا بھی ایک خاص موضوع ہے۔اس کے لیے دائرہ کار بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔اگر دائرہ نہ ہو تو چاروں طرف گھومتے رہیں گے اور حاصل کچھ بھی نہیں ہوگا۔دنیا میں نہ موضوعات کی کمی ہے اور نہ لکھنے والوں کا فقدان۔ہر فنکار اپنے خاص افتادِ طبع اور رجحان کے مطابق ہی موضوع کا انتخاب کرتا ہے اور اس کو اپنے انداز میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔اس لیے محمد یٰسین اپنی کتاب میں لکھتے ہیں موضوع کے لحاظ سے ناولوں میں دائرہ بندی کی جاتی ہے جیسے نفسیاتی ناول، تاریخی ناول وغیرہ لیکن ان تمام ناولوں میں جو چیزیں مشترک ہیں وہ قصہ پلاٹ، زبان و بیان، کردار، مکالمہ، مناظر فطرت، زمان ومکان، اسلوب اور نظریۂ حیات شامل ہیں۔موضوع کے متعلق محمد یٰسین، ورجینیا ولف کا حوالہ اس طرح لکھتے ہیں:

> ''ناول کا موضوع باضابطہ متعین نہیں ہے۔ہر موضوع خلاق ذہن ناول نگار کے لیے موزوں ہوسکتا ہے۔بشرط یہ کہ وہ اس کے تجربات ومشاہدات کے دائرے میں آتا ہو۔دوسرے الفاظ میں زندگی کی متنوع کیفیات اور انسانی کرداروں کی رنگارنگی احاطہ فنی حدود میں رہ کر کیا جائے تو بہتر ہے۔''

(ناول کا فن اور نظریہ، ص۔9)

صنف ناول کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ناول سے پہلے بھی بہت سی اصناف تھیں جن میں کہانیاں ہوتی تھیں۔لیکن ناول کا فن اور تکنیک ان اصناف کے فن اور تکنیک سے جداگانہ اہمیت رکھتا

ہے۔اس وجہ سے دنیا کی تمام ادبی اصناف کے مقابلے میں ناول غالباً سب سے کم سن صنف سخن ہے۔ یورپ میں اس کی ابتدا سترہویں صدی کے اواخر میں ہوچکی تھی۔مگر ہندوستان میں اس کا رواج انگریزوں کے آمد کے بعد ہوا۔خصوصاً 1857 میں جب ایک ہنگامہ برپا ہوا تو ایک ساتھ کئی مسائل منہ کھولے سامنے کھڑے تھے جن سے وہ بھاگ نہ سکے۔اس طرح ناول نگاری کی داغ بیل اُردو ادب میں پڑ گئی۔ تحقیق کے مطابق اردو ادب کا پہلا ناول نذیر احمد کا ''مراۃ العروس'' ہے۔نذیر احمد نے اردو ناول کی بنیاد تو ڈال دی مگر یہ پوری طرح ابھی فن کے ضمرے میں کھرا نہیں اترا تھا۔جب اردو ناول اپنی ابتدائی دور سے گزرتے ہوئے اپنا سفر طے کرنے لگا بعض ناول نگار اس کی طرف قدم بڑھانے لگے اور یہ بیسویں صدی کے آغاز تک ایک کارواں بن چکا تھا۔جس میں رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، سجاد حسین، قاضی سرفراز حسین عزمی اور مرزا ہادی رسوا وغیرہ کا نام سرفہرست ہے۔یہ ناول نگار اردو ناول کے ارتقاء میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

انیسویں صدی کا آخری زمانہ اور بیسویں صدی کا آغاز وہ دور تھا جہاں روز بروز نئے نئے مسائل ابھر رہے تھے۔اس زمانے میں ناول نگاری کی رفتار تیز ہورہی تھی جو سماجی حالات تھے ان کو ہر ناول نگار اپنے زاویے اور اندازِ نظر سے دیکھنے کی کوشش کررہا تھا۔اس سفر میں ایک جاندار نام آغا شاعر کا ہے جن کا ذکر ناول کی تاریخ میں بہت کم ملتا ہے۔انھوں نے چار ناول لکھے جس میں ''نقلی تاجدار، ہیرے کی کنی، ناہید، ارمان'' قابل ذکر ہیں۔خصوصاً ''ہیرے کی کنی'' یہ ناول 1900 میں لکھا گیا۔اس میں انسانی نفسیات، ذہنیت اور اندرونی خیالات کو بڑی ژرف نگاہی سے پیش کیا گیا ہے۔اسی زمانے میں مرزا عباس حسین ہوش کا نام بھی آتا ہے۔ان کے ناولوں میں جہاں نذیر احمد کے اسلوب اور موضوعات کی تقلید پائی جاتی ہے وہیں قوم پرستی اور آزادی کے جذبے کا شعور بھی موجود ہے۔ان کے ناولوں میں ربط ضبط، افسانہ نادر جہاں، المیمون وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اس میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح ہندوستان میں انگریزوں کے پورے قدم جم گئے اور اپنی حکومت اپنے حساب سے چلانے میں کامیاب ہوگئے۔

ناول اپنا سفر طے کررہا تھا۔اس میں نئے نئے راہ گیر آرہے تھے۔جس میں ایک اہم نام مصورِ غم راشد الخیری کا ہے۔یہ وہ ناول نگار ہیں۔جنھوں نے قدیم روایت کو بھی قائم رکھا اور جدید مراحل کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ان کی توجہ بھی نذیر احمد کی طرح عورتوں کی تعلیم و ترقی اور ان کے مصائب زندگی پر رہی

اوراسی اصلاحی خدمت میں اپنی زندگی بسر کردی۔ مولانا نے کئی ناول تصنیف کیے۔ سیدہ کا لال، جوہر قدامت، منازل السائرہ، حیات صالحہ، نوبت پنج روزہ، سیلاب اشک، جوہر عصمت، نغمہ شیطانی، بنت الوقت، تقیّر عصمت، بیلہ میں میلہ، وداع خاتون، نوحہ زندگی، عروس کربلا، صبح زندگی، شام زندی، شب زندگی، زہرۂ مغرب، ماہ عجم۔ ان کا مقصد مشرقی روایت اور تہذیب کی حفاظت کرنا اور مغربی تہذیب کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا تھا۔ مشرقی اور مغربی تہذیب کو ظاہر کرتے ہوئے مشرقی تہذیب کی پاسداری کرتے ہیں۔ مولانا کے فن پر کافی حد تک شرر اور نذیر احمد کے اثرات موجود ہیں۔ ان کے ناولوں میں ان کی مذہبیت بھی نذیر احمد کی طرح واضح نظر آتی ہے کیوں کہ وہ مسلم معاشرے کے ہر مسئلے کا حل مذہبی احکام میں تلاش کرتے ہیں۔

بقول شہاب ظفر اعظمی:

> ''راشد الخیری نے عورت کے مسائل کو عورت کی نظر سے دیکھا اور اس کے دکھ درد کو اپنا دکھ بنا کر اس کا مداوا تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح ناول میں پہلی بار عورت کی معشرتی حیثیت کی صحیح تصویر پیش کی گئی.... اپنے تمام ناولوں میں انھوں نے عورت کی تربیت اور اس کی تعلیم کو بنیادی اہمیت دی کیوں کہ یہی مستقبل میں بچوں کی ماں بنتی ہے اور ماں کی گود بچے کا پہلا مدرسہ ہوتی ہے۔'' (مطالعات فکشن، ص 44)

آگے چل کر مرزا محمد سعید نے دو ناول لکھے۔ ''خواب ہستی'' 1905 میں ان کا پہلا ناول ہے۔ جس میں عشق مجازی کے ذریعہ عشق حقیقی تک پہنچنے کے مراحل ایک قصے کی شکل میں پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے کی تبدیلیوں سے فرد کی نفسیاتی کیفیت پر مرتب ہونے والے اثرات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ دوسرا ناول ''یاسمین'' جو 1908 میں ہے۔ جس میں پرانے زمانے کے والدین کی سخت گیریوں کے مذموم نتائج کی مرقع کشی کی گئی ہے۔ اس ناولوں کے ذریعے سماجی قید و بند کو توڑنے اور نئی راہوں پر چلنے کی مخالفت کی ہے۔ دونوں ناولوں میں سماجی حالات کے تغیرات، فرد کی کشمکش کو بڑی ہی عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ہر ناول نگار ایک نیا تجربہ، نئی تکنیک کا استعمال کرنا چاہتا ہے کیوں کہ وہ دور اور اس دور کا سماج

ایسا ہی ہوتا ہے۔اس طرح اب تک جتنے بھی ناول نگار گزرے ہیں ان کی حقیقت پسندانہ ناول نگاری کے علاوہ ایک اور مکتب فکر سامنے آیا جس کو''رومانوی تحریک'' کے نام سے منسوب کیا گیا۔اردو ادب میں یہ رومانوی تحریک سرسید تحریک کی افادیت پسندی ،خشک مزاجی اور عقلیت کے جوابی رجحان کی شکل میں نمودار ہوئی۔رومانیت نے عشق ،آزادی اور سرمستی کو خراج اور بے راہ روی کے درجے تک پہنچادیا۔ انسان کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ بننے والی تمام مذہبی اور اخلاقی اقدار کی شکست وریخت کو ضروری سمجھا ۔رومانوی ادیبوں اور شاعروں نے اداسی اور تنہائی کو اپنی شخصیت کا جوہر بنالیا۔ناول نگار بھی اس سے متاثر ہوئے اور رومانی جذبات کو پیش کرنے کے لیے انتہا پسندی کے قائل بن گئے۔ان میں اہم نام نیاز فتح پوری کا ہے۔ان کا نام رومانوی تحریک اور جمالیات سے جڑا نظر آتا ہے۔ان کا پہلا ناول''ایک شاعر کا انجام''1913 میں شائع ہوا۔ یہ رومانوی تحریک کے پرشکوہ اسلوب امور پر تصنع ماحول کی نمائندہ تخلیق ہے۔اس ناول میں اہم رول جذبات کا ہے۔ان کا دوسرا ناول''شہاب کی سرگذشت'' ہے۔اس ناول میں شہاب کے ذریعے محبت اور شادی کی بحث کو پیش کیا گیا ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ نکاح کا تعلق محبت سے بالکل نہیں ہے،صرف معاشرت سے ہے۔جس سے محبت کی جاتی ہے اس سے شادی نہیں کرنی چاہئے۔یہی وجہ ہے کہ شہاب اختر سے محبت کرنے کے باوجود چار بچوں والی ایک بیوہ سے شادی کرتا ہے۔ان کے ناول میں دو موضوعات فکر اہم رہے ہیں عورت اور فطرت۔وہ ایک کے خدوخال کو دوسرے کے خدوخال سے تشبیہ دیتے ہیں۔

اسی رومانوی زمرے میں کشن پرشاد کول کا ناول''شیاما'' بھی شامل ہے۔علی عباس حسینی کا پہلا ناول''سرسید احمد پاشاہ یا خاف کی پری''،محمد سجاد مرزا بیگ کا''دل فگار''اور''تنہائے دید''رومانوی ناول ہیں۔جس میں مصنف نے اپنے زمانے کی ان تعلیمی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی ہے جو سیاسی اور سماجی زندگی کو بھی متاثر کررہی تھیں۔قارئین کو مغرب کی بری باتوں سے پرہیز کرکے اچھی اور کارآمد باتوں کو اپنا لینے کا مشورہ دیتے ہیں۔اردو ناول ابتدا سے اب تک ہر دور کے سماجی مسائل سے ہم آہنگ ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس طرح ناول کا سفر رکتے ٹھہرتے ہوئے بیسویں صدی کی پہلی دہائی تک پہنچا۔

یہاں تک اردو ناول سفر طے کرتے کرتے اس عہدِ نو کی فنی اور فکری تقاضوں سے آشنا ہوئی۔ اس دہائی کے مشہور اور مقبول ناول نگار پریم چند ہیں۔پریم چند کی ادبی زندگی کا آغاز 1901 سے ہوتا ہے

۔انھوں نے اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے۔وہ بنیادی طور پر اردو کے ادیب تھے۔ ان کی تمام کتابیں ایک مدت تک راست طور پر اردو ہی میں لکھی گئیں۔البتہ ان کے ترجمے ہندی میں شائع ہوتے رہے۔انھوں نے کل تیرہ ناول لکھے۔پریم چند کا پہلا ناول ''اسرار معابد'' جو نامکمل ہے۔یہ ناول 1903 سے 1905 تک ہفتہ وار اخبار'' آوازِ خلق'' میں شائع ہوتا رہا۔اس ناول میں مصنف کا نام دھنپت رائے ،عرف نواب رائے ہے۔اس ناول میں مندروں میں ذات پات، چھوت اچھوت کے عقیدت کو پیش کیا گیا ہے۔یعنی مذہبی پیشواؤں کی وجہ سے جو معاشرتی خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں ان کا پردہ چاک کرنا اس ناول کا موضوع ہے۔اس کے بعد ہم خرما ہم ثواب، جلوۂ ایثار، بازارِ حسن، گوشۂ عافیت، نرملا ، چوگانِ ہستی، پردۂ مجاز، بیوہ، غبن، میدانِ عمل، گئودان اور منگل سوتر جیسے ناول لکھتے رہے۔ان سب کے باوجود پریم چند کو حیات بخشنے والا ناول گئودان ہے۔اس ناول میں پریم چند نے ایک کسان کے ذریعے اس دور کے کسان اور مزدوروں پر ہونے والے ظلم، بربریت، سماج کی برائیاں، مفلسی، روایت، برہمن، رسم ورواج وغیرہ کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔زمین دار اور کسان، پولیس اور عوام، شہری اور دیہاتی، ساہوکار اور قرض دار، برہمن اور اچھوت، فرد اور برادری، سرمایہ دار اور مزدور سب ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔پریم چند کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے پہلی مرتبہ دیہات کو پیش کیا۔پہلی مرتبہ ہندوستان کے سب سے زیادہ مجبور افلاس زدہ طبقے میں ہیرو کا انتخاب کیا۔اس دور کے زمینداروں اور سرمایہ دارانہ نظام کی گھناؤنی حرکات کو بھی پیش کیا ہے جہاں کسان محنت کر کے پھل اُگاتا ہے، پر حقدار کوئی اور ہوتا ہے۔اس کے علاوہ ان کے ناولوں میں ہندستان کی عوامی اور معاشرتی زندگی کی عظیم الشان روایتوں کا انعکاس ہوا ہے۔متوسط طبقات کے مسائل، ہریجن طبقوں کی آزمائشوں اور محرومیوں، زمیندار، سرمایہ دار، سودخور، مظلوم کسان، سیاسی جماعتوں اور لیڈروں کی استحصال پسندانہ سازشیں اور بے معنی رسم ورواج سے پیدا ہونے والی گمراہیاں وغیرہ پریم چند کے ناول کے اہم موضوعات ہیں۔دراصل وہ ایک ایسے نظام معاشرہ کے متلاشی ہیں جہاں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو راحت وامن حاصل ہو۔

پریم چند کے آخری دور میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ترقی پسند تحریک اشتراکیت پسندانہ خیالات ونظریات کی بنیاد پر چلی تھی۔اس کا اثر جا بجا اردو ناول پر پڑا۔اردو کا تعلق اگر پہلے سے زندگی کے ساتھ تھا ہی لیکن اب زندگی سے اور قریب نظر آنے لگا تھا۔اب ادب کا رشتہ براہِ راست زندگی

سے جڑا تھا۔ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر جو ناول لکھے گئے ان میں سجاد ظہیر کا ناول ''لندن کی ایک رات'' کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔لیکن اس سے قبل بھی چند ناول منظر عام پر آ چکے تھے۔ان ناول نگاروں نے عشقیہ قصوں کو موضوع بنایا اور رومانی اسلوب میں عشقیہ ناول لکھے۔جس میں قاضی عبدالغفار کے لیلیٰ کے خطوط 1932 اور مجنون کی ڈائری 1934 ہیں۔ان ناولوں کو اگر چہ مصنف نے ناول کا نہیں دیا مگر فن کے اعتبار سے یہ دونوں تصانیف ناول میں ہی شمار کیے جاتے ہیں۔اس میں فرد کے ذہنی انتشار اور قدروں کی شکست وریخت کو لیلیٰ اور مجنوں دونوں بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں اور مذہبی وسماجی بندشوں سے بے زار ہو کر تمام مسلمہ اصولوں کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہاں سے عظیم بیگ چغتائی نے مزاحیہ انداز میں ناول لکھا جو اردو ناول نگاری میں ایک نیا تجربہ تھا۔ان کا مشہور ناول ''چمکی'' ہے۔جس میں انھوں نے مختلف عورتوں کے مختلف جذباتوں کو بہترین طریقہ سے پیش کیا ہے۔اسی کڑی میں فیاض علی نے دو عشقیہ ناول ''شمیم'' اور ''انور'' لکھے۔ل.احمد نے ایک ناول ''فسانہ محبت'' کے نام سے لکھا۔یہ ایک رومانی ناول ہے جس میں ازدواجی زندگی کی برقراری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر سجاد ظہیر کا لکھا گیا شہرہ آفاق ناول ''لندن کی ایک رات'' ہے اس میں پہلی مرتبہ شعور کی رو کو جز میں استعمال کیا گیا ہے۔1936 میں لکھا گیا اس ناول میں نہ صرف لندن میں مقیم ہندستانی نوجوانوں کی نفسیاتی اور ذہنی زندگی پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ اس کے ذریعہ ہندستان کی اس وقت کے نوجوانوں کے ذہن ان کے سوچنے کا انداز اور ان کے مختلف اور اہم رجحانات بھی مکمل طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ان کرداروں کے ذریعہ ان کے مقاصد، پریشانی کے ساتھ ساتھ ہندستان کے مسائل کو بھی پیش کیا گیا ہے۔اس ناول میں پیش ہر کردار کی ذہنی انتشار اور مقصد ایک دوسرے سے منفرد ہے۔ان کے ذہن بیشمار اور ختم نہ ہونے والی الجھنوں کی آماجگاہ ہے۔یہ الجھنیں سیاسی نظریات، معاشی تصورات اور جنسی محرکات کا باہمی کشمکش اور تصادم سے پیدا ہوتی ہے۔غرض سجاد ظہیر نے مختلف کرداروں کے ذریعہ ہندستان کے متوسط طبقہ کے نوجوانوں کی عکاسی کی ہے اور اس طور پر اس دور کے بہت سے تہذیبی وسیاسی مسائل کو اپنا موضوع بنایا ہے۔سجاد ظہیر کے بعد ناول کی دنیا میں عزیز احمد کا نام اہم ہے۔اردو فکشن نگاری میں اپنے موضوعات اور اپنی اسلوب کے لحاظ سے ایک منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔انھوں نے کل 6 ناول لکھے۔''ہوس'' 1932 ان کا پہلا ناول ہے۔''مرمر اور خون'' 1932 ''گریز'' 1943 ''آگ'' 1946 ''ایسی بلندی ایسی پستی

''1947 اور ''شبنم'' 1949 میں لکھا گیا۔ بقول عزیز احمد مرمر اور خون سب سے بدترین ناول ہے اور گریز ان کا سب سے کامیاب ناول ہے۔ اس میں 1936 سے 1942 کے درمیانی زمانہ میں حیدرآباد اور یوروپ کے بڑے بڑے شہروں کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک ہندستانی نوجوان کے آئی سی ایس میں انتخاب کے بعد انگلستان جا کر کیا کیا تبدیلیاں آتی ہیں۔ اس کی دماغی حالات اور نظریہ کیسے بدل جاتی ہے اور وہ زندگی کو کس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ عزیز احمد اس ناول کے ذریعہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ گریز دراصل زندگی سے گریز ہے۔ اس ناول کا ہیرو زندگی اور اس کی تلخ سچائیوں، عشق اور اس کی تلخ حقیقتوں سے گریز کرنا ہے۔ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ وہ جنسی مسائل اور واقعات کو لذت آمیز بنا کر پیش کیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا نفسیاتی اور فنی پہلو دب کر رہ گیا ہے۔ دراصل وہ دور ہی ایسا تھا جس زمانے میں جنس کا اظہار عالمی ادب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اس کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق اور تجربے کئے جانے لگے تھے۔ گریز بھی موضوع کے اعتبار سے جنسی خیالات، جنسی بے راہ روی اور زندگی کے غیر حقیقی پہلو پر مبنی ہے۔ چوں کہ عزیز احمد کا موضوع جنس ہے اس وجہ سے انھوں نے یوروپ کے سماج کو چنا اور بڑی آسانی سے اپنے خیالات کو پیش کر دیا۔ اس ناول کے موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ہارون ایوب رقم طراز ہیں:

> ''گریز نہ ایک اظہارِ جنس کا وسیلہ ہے، نہ ہی سماج کی اصلاح کا، اس میں تلذذ ہے جس میں دوسرے کو بھی شریک کرنے کی کوشش کی گئی ہے''

(اردو ناول پریم چند کے بعد، ص۔ 100)

جنسی میلانات و مطالبات کے ساتھ ساتھ عزیز احمد نے معاشرتی مسائل و حالات کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ زندگی کے دوسرے پہلوؤں کی بھی ترجمانی کی ہے۔ گریز کے علاوہ مرمر اور خون، آگ اور ہوس میں بھی جنسی مسائل پر بے باکی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر کار عزیز احمد نے ناول کے موضوعات کے انتخاب میں ایسے تجربات کیے جو اردو ناول نگاری کے لیے ایک نیا موڑ تھا۔

اردو ناول نگاری کی روایت کو مسلسل آگے بڑھانے اور ان ناولوں سے قارئین کو متوجہ کرنے کے سلسلہ میں کرشن چندر کا نام اہم ہے۔ ان کی ناول نگاری کا آغاز 1943 میں ''شکست'' سے ہوا۔ اس کے علاوہ انھوں نے 30 سے زائد ناول لکھا۔ یہ عجب بات ہے جہاں پریم چند کو اپنا آخری ناول نے شہرت

بخشا وہیں کرشن چندر نے اپنے پہلے ناول سے ہی یہ حق چھین لیا۔ کرشن چندر نے اپنے ناولوں میں زندگی اوراس کے مسائل، اس معاشرہ سے جڑے فرد اور جذباتی اور اخلاقی رشتے اوران رشتوں سے پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد ہندستان اور اس معاشرے میں جو تغیرات برپے، جو انقلابی خواہش سرگرم رہی ان کے اندر جو جستجو کا میدان کارفرما رہا ہے کرشن چندر کے ناولوں میں جا بجا مل جاتے ہیں۔ شکست کی فضا رومانیت سے بوجھل تو ہے مگر اس میں اس دور کے ذہنی انتشار و کرب کی پرچھائیاں بھی مل جاتی ہے۔ کشمیر کی سماجی حالات اور اس کے دیہاتوں میں رائج رسم ورواج کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کہانی کو کشمیر کے فطری حسن کے پس منظر میں پیش کر کے فطرت کے حسن اور سماج کی بدصورتی کو عیاں کیا ہے۔ یہ فرسودہ نظام کے مقابلے میں نوجوان کی فطری اور صحت مند محبت کی شکست پیش کی گئی ہے۔

اگر چہ اردو ادب میں خواتین ناول نگار کی ابتداء رشیدت النساء بیگم سے ہو چکا تھا۔ اس میں شہریت حاصل کرنے والوں میں عصمت چغتائی کا نام سرفہرست ہے۔ انھوں نے کل سات ناول لکھے۔ ضدی ان کا پہلا ناول ہے۔ یہ ناول موضوع کے اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ان کا شہرۂ آفاق ناول ''ٹیڑھی لکیر'' ہے۔ 1945 میں لکھا ہوا یہ ایک کرداری ناول ہے۔ عصمت چغتائی نے حقیقت پسندی اور نفسیات کی آمیزش سے ''شمن'' کا ایک جیتا جاگتا کردار تخلیق کیا۔ اس کے ذریعہ عصمت نے عورتوں کی بات کو عورتوں کی ہی زبان میں لکھا۔ ناول کا موضوع شمن کے کردار کا ٹیڑھا پن ہے۔ شمن کے کردار کے ارتقاء کو پیش کرتے ہوئے عصمت نے معاشی اور نفسیاتی عوامل کا تجزیہ کیا ہے۔ شمن کے ساتھ پیش آنے والے ان بے شمار چھوٹے چھوٹے واقعات کو بڑے سلیقے اور ہنرمندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ ایک عورت ہونے کے باوجود جنسی مسائل پر لکھا۔ انسانی زندگی سے جڑے حقیقتوں کو بے باک انداز میں پیش کیا۔ دراصل اس کہانی میں ایک متوسط گھرانے کی لڑکی کے جذباتی اور نفسیاتی زندگی اور وہ ماحول جس میں وہ پرورش پا رہی تھی پیش کیا ہے۔

جنگ آزادی اور تقسیم ملک کے بعد روز بروز مسئلے بڑھتے گئے۔ قتل عام ہو گیا تھا، لوٹ مار اور آبروریزی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس کا اثر لاکھوں لوگوں پر ہوا۔ متعدد ناول نگار بھی اس کا شکار ہوئے۔ چنانچہ فسادات کے موضوع پر کئی ناول لکھے گئے۔ اس میں اہم نام رامانند ساگر کا ہے۔ 1947 میں لکھا گیا

ناول ''اور انسان مر گیا'' ایک ہنگامی موضوع سے وابستہ ہے۔ اس کی بنیاد فرقہ وارانہ فسادات ہیں۔ یہ ناول ان فسادات سے ہونے والے مسائل سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ خود ناول نگار دیباچہ میں وضاحت کی ہے کہ فسادات کے دوران جو نوٹس تیار کئے گئے تھے انھیں پر اس ناول کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس زمرے میں عزیز احمد کا ناول ''ایسی بلندی ایسی پستی'' اور قرۃ العین حیدر کا ''میرے بھی صنم خانے'' اور ''سفینۂ غم ودل'' اہم ہیں۔ میرے بھی صنم خانے 1949 میں شائع ہوا۔ محدود طبقہ کو اس ناول کا موضوع بنایا گیا۔ یہ اودھ کا وہ تعلقہ دار طبقہ ہے جو اپنی تہذیب کے لحاظ سے قدیم وجدید کا عجیب سا امتزاج پیش کرتا ہے۔ یہ طبقہ ہمیشہ سے قرۃ العین حیدر کا آئیڈیل طبقہ رہا ہے۔ اس کے بعد بھی ناول نگاری کا سلسلہ جاری وساری رہا ہے۔

بہر حال اس مضمون سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہر دور میں موضوعات کا تنوع رہا ہے۔ اردو ناول کے موضوعات میں تبدیلی بھی رونما ہوتی رہی۔ کیوں کہ ہر دور میں مختلف مسائل رائج رہے اور ہر ناول نگار اپنے اپنے عہد میں ان تمام سماجی، سیاسی اقتصادی، معاشی، تعلیمی، نفسیاتی وجنسی مسائل ومعمولات کو موضوع بناتا ہے جو اس زمانے وقت اور حالات کے مطابق ہوتے ہیں۔ چونکہ ناول سماج کا آئینہ ہوتا ہے اس وجہ سے ہر ناول نگار کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ موضوعاتی اور فنی لحاظ سے ایک کامیاب ناول بن سکے۔ لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ کوئی اس دریا کو پار کر جاتا ہے اور کوئی ڈوب جاتا ہے۔

☆☆☆